Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:2 (1965)
© rasailojaraid.com

ہماری اخلاقی پستی کے اسباب اور اس کا علاج

ڈاکٹر فضل الرحمن

آج کل اس ملک میں جس شخص کو دیکھو، وہ پریشان معلوم ہوتا ہے۔ چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، چپڑاسی ہو یا بڑا افسر۔ تاجر ہو یا صنعت کار وہ کسی پیشہ میں بھی ہو آپ اسے پریشانی کی شکایت کرتا پائیں گے۔ اس پریشانی کی تہہ میں دراصل اقتصادی اسباب نہیں بلکہ اخلاقی اسباب ہیں۔ جہاں تک اقتصادی حالت کا تعلق ہے، کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اب یہ اس حالت سے بدرجہا بہتر ہے، جس میں مسلمان بالعموم تقسیم کے وقت تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پریشانی کیوں ہے؟ اور پراگندگی کس لئے ہے؟

اس اخلاقی پراگندگی کے، جس میں سب چھوٹے بڑے مبتلا نظر آتے ہیں، کچھ اسباب تو عارضی ہیں۔ جس وقت پاکستان بنا تھا، چند افراد کو چھوڑ کر جو زرعی دولت کے مالک تھے، باقی سب نسبتاً غربت میں مساوی تھے اور سماجی سطح کے لحاظ سے بھی سب برابر تھے۔ نہ کوئی یہاں کروڑ پتی صنعت کار تھا اور نہ بے کراں دولت کے مالک تاجر۔ یہ سب پاکستان کے بعد کی اقتصادی ترقی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح یہاں نہ کوئی صدر رہا تھا۔ نہ اتنی بڑی تعداد میں وزیر اور نہ اعلیٰ درجہ کے افسر تھے۔ غرضیکہ بہت حد تک کلی مساوات تھی۔ ظاہر ہے پاکستان بننے کے بعد یہاں پر سربراہ مملکت بھی کسی کو ہونا تھا۔ اور ایک معتدبہ تعداد میں وزیر اور افسر بھی ہونے تھے اور تاجر اور صنعت کار بھی بہتوں کو بننا تھا۔ اس طرح اقتصادی ترقی اور تشکیل حکومت کے ساتھ ساتھ سماجی سطحیں پیدا ہو گئیں جن کا پیدا ہونا لازمی تھا اور جن کا پر ہونا ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حالات کے تحت یا حسن اتفاق سے ان میدانوں میں پیش رو بنے اب وہ ان لوگوں کے محسود ہیں جو ان سے ذرا پیچھے یا بہت پیچھے رہ گئے ہیں - لیکن آئندہ چند سالوں میں جب یہ سماجی سطحیں ہر ہو جائیں گی اور سماجی عروج کے راستے بھی متعین ہو جائیں گے تو یہ شکایت باقی نہ رہے گی اور پاکستان کی اور ترقی پذیر ملکوں کی طرح یہ خصوصیت پائیدار اور مستحکم سماجی نظام میں تبدیل ہو جائے گی لیکن اس مسئلے پر ذرا زیادہ غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اخلاقی پریشانیاں صرف اسی نوعیت تک محدود نہیں ہیں جو اوپر بیان ہو چکی ہے، بلکہ ہمارے معاشرے کے اندر کچھ دور رس اسباب ایسے بھی موجود ہیں جن کے ساتھ ہمارے معاشرے کا اخلاقی انحطاط وابستہ نظر آتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ باوجود اسلام کے اور باوجود قرآن و سنت کی تعلیم کے نہ ہمارے معاشرے میں عمل اور ثمرہ عمل کے درمیان کوئی مثبت رشتہ قائم ہو سکا، نہ کمائی اور محنت کے درمیان ہم کوئی مستحکم نسبت قائم کر سکے ہیں - ہمارے معاشرے میں ایک طرف تو اکثریت عوام کی تھی، جو باوجود کام کرنے کے افلاس، بھوک، جہالت اور مرض کا دائمی شکار رہے اور دوسری طرف چند افراد تھے جن کے پاس زر غیر مکسوب کی فراوانی تھی -

افلاس اور بھوک اخلاقی امراض کی جڑ ہے - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کاد الفقران یکون کفراً'' یعنی افلاس انسان کو کفر کے قریب قریب پہونچا دیتا ہے - افلاس ہی انسان کو طرح طرح کی بد دیانتی سکھاتا ہے، مادی بد دیانتی بھی اور علمی اور ذہنی بد دیانتی بھی - اور علمی اور ذہنی بد دیانتی جو ہمارے معاشرے میں مادی بد دیانتی سے کس طرح سے کم نہیں، ایک ایسا مرض ہے جس کو منافقت کہتے ہیں - اس منافقت اور دوغلہ پن ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم ایک رائے ذہن میں تو رکھتے ہیں لیکن اس کا اظہار زبان سے نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے خوف سے اس کی ضد کا اظہار کرتے ہیں - اور یہ بھی ہماری بد دیانتی اور منافقت کا ایک مظہر ہے جو ہمارے ہاں عمل اور ثمرہ عمل کے درمیان عدم نسبت سے پیدا ہوا کہ مثلاً ایک شخص بظاہر بڑا نمازی ہے اور مسجد میں وعظ سے متاثر ہو کر وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رو بھی دیتا ہے لیکن اپنی دوکان پر جا کر لکڑی کا رنگ کیا ہوا برادہ ہلدی یا مرچ میں ملا کر فروخت کر دیتا ہے۔

اس مرض کے بہت سے عوامل اور اسباب ہیں۔ مثلاً ایک پچھلی چند صدیوں میں ہماری سیاست کا عدم استحکام۔ اور اس کی ذمہ داری بڑی حد تک ہماری دینی قیادت پر بھی عائد ہوتی ہے۔ عمل اور ثمرۂ عمل کے درمیان ایک مثبت اور مستحکم رشتہ پیدا کرنا اولاً اور بالذات ہماری دینی قیادت کا فرض تھا لیکن افسوس ہے کہ ہماری دینی قیادت بھی چند صدیوں سے محض رسمی ہو کر رہ گئی۔ ذرا غور فرمائیے۔ یہ حضرات اس بات پر تو اصرار فرماتے رہے کہ اسلام میں جوا اور سود حرام ہیں اس لئے کہ جوا اور سود وغیرہ ایک ایسی ذہنیت کی پرورش کرتے ہیں جو کچھ کام کئے بغیر فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہے، لیکن انہوں نے اس پر کبھی غور نہ کیا کہ ہمارے پورے معاشرے میں جو زر غیر مکسوب ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن کریم اور سنت نبوی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی ظاہر ہو جائے گی کہ اسلام نے روز اول ہی سے جہاں توحید باری کا اعلان کیا، وہیں اجتماعی اور اقتصادی عدل کا بھی اعلان کیا اور اس پر بہت زور دیا۔

ہوا یہ کہ اس طرح کے اصطلاحی اور رسمی اسلام کی وجہ سے رآن کریم کی حقیقی اخلاقی تعلیم ہمارے ہاتھ سے جاتی رہی قرآن کریم کا بنیادی اخلاقی تصور ''تقوی'' کا تصور ہے۔ قرآن در اصل ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، جو ''تقوی'' کی حامل ہو۔ اپنے اوامر اور نواہی جگہ بہ جگہ بیان فرمانے کے بعد قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ چیزیں تمہارے اندر ''تقوی'' پیدا کریں گی۔ لیکن ''تقوی'' کیا ہے؟ اگر آپ تمام قرآنی نصوص کا مطالعہ کریں اور سنت نبوی صلعم کو غور سے دیکھیں گے تو ان سے ''تقوی'' کی مندرجہ ذیل تعریف نکلتی ہے: ہر شخص خواہ وہ زندگی کے کس مقام میں ہو، اپنے ہر کام میں جو اس کے سامنے ہے، اس طرح فرض شناسی اور ذمہ داری سے کام لے کہ اپنے باہر ایک فیصلہ کا معیار (Standard of judgement) تسلیم کرے، انسان کسی حالت میں بھی اپنے کردار کی راستی کا معیار خود نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نفسی کیفیت سے انسان کے اندر خوف کی وہ حالت پیدا ہوتی ہے جسے '' اللہ کا ڈر '' کہتے ہیں ۔ اور جو لفظ '' تقوی '' کے معنی لئے جاتے ہیں ۔ ورنہ ڈر تو دنیا میں کئی قسم کے ہیں ۔ انسانوں کو چور کا ڈر ہوتا ہے ۔ چوروں کو پولیس کا ڈر ہوتا ہے ۔ لوگوں کو درندوں کا ڈر ہوتا ہے ۔ بچوں کو ماں باپ کا ڈر ہوتا ہے ۔ اور محکوم کو حاکم کا ڈر ہوتا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص راعی (یعنی ذمہ دار) ہے اور ہر ایک سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا ۔ اگر حاکم ہے تو اس سے اپنے محکوم سے متعلق سوال کیا جائے گا کہ وہ کہاں تک اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا ۔ خاوند سے بیوی بچوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور بیوی سے گھر کی ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا ۔ یہ ہے در اصل '' تقوی '' کا مفہوم ۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض و غایت اس احساس ذمہ داری کو پیدا کرنا اور اس کی افزائش کرنا ہے ۔

ہمارے نزدیک محض حکومت کے ادارے چاہے وہ قانون کے ادارے ہوں یا انتظامی نظم و نسق کے ادارے ، اس قسم کی اخلاقی شخصیت کی تعمیر نہیں کر سکتے ۔ البتہ وہ اس کے لئے فضا اور وسائل ضرور مہیا کر سکتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی شخصیت کی تعمیر کے لئے شخصی تعلق درکار ہے اور حکومت کے ادارے کسی صورت میں شخصی تعلق فراہم نہیں کر سکتے ۔ اس سلسلے میں ایک عام غلط فہمی جو ہمارے ہاں تقریباً قومی مرض کی صورت اختیار کر چکی ہے ، یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر حکومت قوانین بنا دے گی تو سب اخلاق ٹھیک ہو جائیں گے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مثلاً رشوت کے متعلق قوانین موجود ہیں لیکن باوجود ان قوانین کے رشوت وسیع پیمانے پر لی جاتی ہے ۔ ہمارے خیال میں اخلاقی شخصیت کی تعمیر ان چار اداروں کے تعاون سے ممکن ہے ۔ اور اس کے بغیر وہ متصور نہیں ہو سکتی ۔ یہ چار ادارے مندرجہ ذیل ہیں :—

(۱) سب سے پہلا اور اہم ادارہ لا محالہ و الدین کی تربیت اور گھر کا ماحول ہے ۔ اس کا بدل صحیح معنوں میں دوسری چیز نہیں ہو سکتی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) دوسرا ادارہ مدرسے اور اسکول ہیں - جن کا فرض صرف تعلیم دینا نہیں بلکہ اصالتاً تربیت کرنا اور شخصیت کی اخلاقی اور ذہنی دونوں قوتوں کو بیدار کرنا ہے -

(۳) تیسرا اتنا ہی اہم ادارہ ہماری دینی قیادت ہے - ہمارے آئمہ اور دینی قائدین کا فرض ہے کہ وہ مقامی لوگوں کی اخلاقی مشکلات اور مسائل کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور ان کا حل تلاش کریں -

مثال کے طور پر آپ کے محلہ میں لوگ چوریاں زیادہ کیوں کرتے ہیں ؟ بدکاریاں کیوں ہوتی ہیں ؟ طلاقوں کی کیا وجہ ہے ؟ اور قتل کیوں ہوتے ہیں ؟ ان تمام مسائل کے اخلاقی پہلوؤں کا غور سے مطالعہ کرنا اور حقیقی واقعات کو پیش نظر رکھ کر ان معاملوں کو سلجھانے میں مدد دینا ' یہ ہے دینی رہنمائی اور تربیت کی جان - لیکن آج ہم اپنے گرد و پیش کیا دیکھتے ہیں ؟ ہمارے بیشتر آئمہ اور علماء اگر وعظ کریں گے تو اس کا اکثر حصہ سیاسی ہوگا - اور اس میں اخلاقی پہلوؤں کی تلقین کا کہیں نام و نشان نہ ہوگا - اور اگر کہیں بالفرض کوئی اخلاقی مسئلہ بیان بھی کر دیا تو وہ بھی بالکل عام طرز پر اور دور دراز کے قصے اور کہانیاں سنا سنا کر - یہ نہیں کہ وہ اپنے محلے اور گرد و پیش کے واقعی اور حقیقی اخلاقی مشکلات کو اپنا موضوع بنائیں - زیادہ تر یہ حضرات اپنا فرض صرف نماز، نکاح یا نماز جنازہ پڑھا دینا یا سیاست گری میں مشغول رہنے کو ہی سمجھتے ہیں - حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : " الدین نصح " یعنی دین دراصل لوگوں سے بھلائی کرنے کا نام ہے جو ایک مثبت اور فعال تصور ہے اور عمل چاہتا ہے - صرف باتیں نہیں -

(۴) چوتھا ادارہ جس کا تعلق ماحول کی اور مقامی اخلاقی تربیت سے ہے ' وہ بنیادی جمہوریت ہے اور یہ بے انتہا اہم ہے اور اس کی حیثیت ملی تعمیر کے لئے سنگ اساس کی ہے - اس سے پوری قوم کی زندگی کا ڈھانچہ درست ہوگا - کیا ہی اچھا ہو اگر ابتدائی تعلیم کے ادارے یعنی پرائمری اسکول بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوریتوں کے سپرد کر دئیے جائیں اور مقامی مسجد کے امام صاحب اور بنیادی جمہوریتوں کے ارکان آپس میں مل جل کر کام کریں تاکہ اسکول مسجد اور بنیادی جمہوریت ایک عضوی وحدت (organic unity) کے طور پر اخلاقی اور سماجی مسائل کے حل میں موثر ثابت ہو سکیں - اس تعاون کے بغیر یہ بنیاد ٹھوس اور مستحکم نہیں ہو سکتی - ہمیں معلوم ہے کہ بنیادی جمہوریتوں کے بعض ارکان کے خلاف بہت آوازیں اٹھ رہی ہیں یہ کہ بڑی بدعنوانیاں کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر غیر ذمہ دار لوگ ہیں - ہم یہ نہیں کہتے کہ بنیادی جمہوریتوں کے سب لوگ پاک، صاف ہیں لیکن ہمیں اس سے ہرگز اتفاق نہیں کہ بنیادی جمہوریتوں سے ذمہ داریاں واپس لے لی جائیں - ہمارے نزدیک کسی شخص کو ذمہ دار بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کو ذمہ داری سونپ دی جائے - نہ یہ کہ اس سے ذمہ داری واپس لے لی جائے - ہمارے نزدیک بنیادی جمہوریتوں کا نظام اس ملک کی تعمیر میں ایک اساسی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ فرائض جو اوپر بیان ہوئے ہیں، بنیادی جمہوریتوں کے ذریعہ ہی حقیقی معنوں میں پورے ہو سکتے ہیں -

© rasailojaraid.com